# آہ! سید ذوالکفل بخاری

رؤف طاہر☆

ابھی تو یارِ طرحدار طاہر جمیل اور وضعدار و سراپا انکسار قاری شکیل کی جدائی کے زخم بھرے نہیں تھے کہ سید ذوالکفل بخاری بھی ایک گہرا گھاؤ دے گئے۔ ۳۹ سالہ سید زادے کی اچانک رحلت کی خبر، جس نے بھی سنی، دل تھام لیا۔ ڈاکٹر عرفان ہاشمی نے فون پر تصدیق چاہی اور ہاں میں جواب پا کر بے ساختہ پکار اُٹھے: خوش درخشید و لے شعلۂ مستعجل بود۔ ڈاکٹر ہاشمی میں مزید کچھ کہنے سننے کا یارا نہ تھا۔ بھرّائی ہوئی آواز میں خدا حافظ ہی کہہ پائے اور فون بند کر دیا۔

تقریباً سات سال ہوتے ہیں، سعودی وزارتِ تعلیم نے ابتدائی مدارج سے ہی سعودی بچوں کو انگریزی سکھانے کے لیے پاکستان سے لگ بھگ اڑھائی سو اساتذہ کا انتخاب کیا۔ یہ کالجوں کے نوجوان اساتذہ تھے۔ ان میں سید ذوالکفل بخاری بھی تھے جو ان دنوں ملتان کے ایک سرکاری ادارے میں انگریزی کے لیکچرار تھے۔ برِصغیر کے بے مثل خطیب اور تحریک آزادی میں ''احرار'' کے قافلۂ سالار سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے نواسے..... لیکن یہ محض ''پدرم سلطان بود'' والا معاملہ نہیں تھا۔ ذوالکفل اپنی ذاتی خوبیوں اور صلاحیتوں کے ساتھ خود کو اس عظیم خانوادہ کے لائق و فائق سپوت کہلوانے کے حقدار تھے۔

سعودی عرب ملازمت کے لیے آنے والے اکثر افراد کے ذہن میں حرمین کی قربت کا خیال ہوتا ہے۔ ذوالکفل کو بھی یہی گمان تھا۔ لیکن یہاں ان کا تقرر منطقہ تبوک کے قصبے املج میں ہوا۔ مدینہ منورہ سے تقریباً ۳۵۰ اور مکہ مکرمہ سے ۵۰۰ کلومیٹر دور چند ہزار نفوس پر مشتمل یہ ساحلی قصبہ اپنی سرسبزی و شادابی کے باعث خاصا پُرکشش ہے۔ لیکن ذوالکفل کی تشنگی کا سبب کچھ اور بھی تھا۔ یہاں ان کے علمی و ادبی ذوق اور تحقیق و جستجو کے شوق کا سامان نہیں تھا، جب تک فیملی پاکستان میں تھی، وہ ویک اینڈ پر عموماً جدہ کا رخ کرتے۔ نمازِ جمعہ کی حرم مکی میں ادائیگی کے علاوہ ان کا بیشتر وقت طاہر جمیل (مرحوم) کی ادبی بیٹھک میں گزرتا۔ یہاں جدہ کی علمی و ادبی شخصیات سے گفتگو رہتی۔ عمرے کے لیے پاکستان سے آئے ہوئے کسی شاعر یا ادیب سے بھی یہاں ملاقات ہو جاتی۔ جدہ کے بک سٹالز پر پاکستان سے آئی ہوئی کوئی نئی کتاب دستیاب ہوتی تو اسے خرید لیتے۔ ہفتے کے باقی پانچ دنوں کے لیے سیرابی کا اہتمام کر کے واپس اُملج چلے جاتے۔ وہ محکمہ تعلیم پنجاب سے ''طویل رخصت'' پر تھے۔ یوں پاکستان میں ان کی سرکاری ملازمت محفوظ و مامون تھی۔

اُملج کے چھوٹے سے قصبے میں ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کے اظہار اور فروغ کے لیے کچھ نہ تھا۔ کئی بار وطن واپسی کا سوچا، پھر یہ سوچ کر ارادہ ملتوی کر دیا کہ شاید حرمین کی قربت کی تڑپ رنگ لے آئے اور اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ ۲۰۰۸ء میں ان کے نالوں کا جواب آ گیا۔ مکہ مکرمہ کی اُم القریٰ یونیورسٹی میں انگریزی کے

☆ اردو میگزین، جدہ

استاد کی حیثیت سے ان کا انتخاب ہو گیا تھا۔ اُم القریٰ یونیورسٹی میں ملازمت کے لیے نیا ویزہ اسلام آباد میں سعودی سفارت

خانے سے لگنا تھا۔ انھوں نے اُملج والی ملازمت سے استعفیٰ دیا اور نئے ویزے کے لیے پاکستان روانہ ہوگئے، لیکن عشق کا امتحان ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ نئے ویزے میں کچھ تکنیکی مسائل حائل ہوگئے تھے۔ اس دوران ذوالکفل سے فون پر عموماً رابطہ ہوتا۔ ایک روز میں نے کہا: شاہ جی! پریشانی کی کیا بات ہے، آپ کی سرکاری ملازمت محفوظ ہے، اِسے جوائن کرلیں، اور اب تو کالج اساتذہ کی تنخواہیں بھی اچھی خاصی ہیں۔ خانوادۂ رسول ویسے بھی سیر چشم واقع ہوا ہے۔ آپ انگریزی کے استاد ہیں۔ دو تین ساتھیوں کے ساتھ مل کر شام کو انگلش اکیڈمی کھول لیں۔ اس بکھیڑے میں نہ پڑنا چاہیں تو کسی پرائیویٹ ادارے میں ایک دو پیریڈ لے لیا کریں۔ آپ کے لیے ملتان ہی سعودی عرب ہوجائے گا۔

.....لیکن ذوالکفل کی تڑپ سعودی ریالوں کے لیے تو نہیں تھی۔ مجھے یاد آیا ایک بار انھوں نے کہا تھا، حرمین کی قربت ان کے لیے کسی بھی نعمت، کسی بھی دولت سے بڑھ کر ہے۔ ''یوں لگتا ہے یہاں کی مٹی مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے۔'' ''یہ مٹی ہے بھی تو یہیں کی۔'' میں نے جواب دیا تھا..... پھر اس سال مارچ میں ویزہ لگ گیا اور اور ذوالکفل اپنے خوابوں کی سرزمین میں واپس آگئے۔ اب وہ بہت خوش تھے، جیسے دولتِ کونین مل گئی ہو۔ انھوں نے محلّہ عزیزیہ میں گھر لیا، جو حرم سے پانچ سات منٹ کی مسافت پر تھا۔ یوں بھی ہوتا کہ رات کے کسی پہر دلِ بے تاب مچل اٹھتا اور ذوالکفل حرم کا رُخ کرتے۔ ڈھلتی شب کے اس پہر طواف کا اپنا لطف تھا۔ ہجوم نہ ہونے کے باعث حجرِ اسود کو بوسہ دینا بھی آسان تھا اور غلافِ کعبہ سے لپٹ کر دیر تک آہ وزاری میں بھی کوئی مخل نہ ہوتا۔ صحن حرم میں بیٹھ کر کعبے کو دیکھتے رہنے کا اپنا ہی لطف تھا۔ ذوالکفل ان نعمتوں سے خوب فیضیاب ہوتے۔ میں جدہ سے روانہ ہوتے ہوئے فون پر رابطہ کرتا تو حرم کے اندر یا اس کے قرب و جوار میں کوئی جگہ میٹنگ پوائنٹ کے طور پر طے پاتی۔ حرم کے اندر یا اس کے قرب وجوار میں پاکستان سے آئی ہوئی کسی علمی وادبی شخصیت پر نظر پڑتی تو ذوالکفل اسے جالیتے۔ یہ صورتحال ان کے لیے ''اضافی کشش'' کا باعث تھی۔

اس سال جون کے اوائل میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے ساتھ ایسی ہی ایک طویل نشست میں ان سطور کے راقم کو بھی شرکت کا موقع ملا۔ جدہ میں کوئی علمی وادبی تقریب ہوتی تو ذوالکفل اس میں شرکت کا بھی اہتمام کرتے۔ انھیں نام ونمود سے حتی الامکان گریز ہوتا۔ ان کی خواہش ہوتی کہ پچھلی نشستوں پر بیٹھ کر خاموشی سے استفادہ کرتے رہیں۔ احباب بہ اصرار اگلی قطار میں لاتے۔ کسی پروگرام میں ان کی تقریر ہوتی تو کامیاب ترین مقرر وہی ہوتے۔ وہ خطیبِ برِصغیر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے نواسے تھے۔ شاہ جی کے بعد، ان کے صاحبزادگان سید عطاء المنعم بخاری، سید عطاء المحسن بخاری، سید عطاء المومن بخاری اور سید عطاء المہیمن بخاری نے بھی خطابت کی اس شمع کو روشن رکھا۔ لیکن ذوالکفل کی خطابت کا رنگ مختلف تھا۔ کسی سیمینار، کسی کانفرنس میں ان کی تقریر اپنے ''مواد'' کے علاوہ ''انداز'' میں بھی ایک پروفیسر اور اسکالر کا رنگ لیے ہوتی۔ وہ روسٹرم پر مُکے برسانے اور گلے کے پورے زور سے حاضرین کے لیے سمع خراشی کا باعث بننے کی بجائے دھیمے لہجے میں الفاظ کے مناسب زیر وبم کے ساتھ سامعین کو مسحور کردیتے۔ زورِ خطابت اور شورِ خطابت کے بجائے استدلال کے ساتھ اپنی بات کو آگے بڑھاتے اور سامعین کو مٹھی میں کرلیتے۔ وہ انگریزی کے استاد تھے، لیکن اردو میں تقریر کرتے ہوئے انگریزی سے مکمل پرہیز کرتے۔

وہ دوستوں کے دوست تو تھے ہی، دشمنوں کے بھی دوست تھے کہ ان کے لیے بھی اس کے ہاں خیر خواہی کے سوا کوئی جذبہ نہ تھا۔ وہ انسانی تعلقات کے حوالے سے وسیع المشرب تھے۔ زاہدوں کے علاوہ رِند بھی ان کے حلقۂ احباب میں شامل تھے کہ وہ انسانوں سے مایوس نہیں ہوتے تھے۔ کیا خبر کب انسانی فطرت کا خیر، شر کے جذبے پر غالب آجائے۔ جنگ / نیوز والے رؤف کلاسرا، فکر ونظر میں بُعد المشرقین کے باوجود ان کے قریبی دوستوں میں شامل تھے۔ وہ اپنے مسائل کے حوالے سے دوستوں کو آزمائش میں ڈالنے سے حتی الامکان گریز کرتے، لیکن ان کے مسائل میں بڑھ چڑھ کر دلچسپی لیتے۔ ان کے مسئلے کو اپنا مسئلہ بنالیتے اور جب تک اسے حل نہ کرلیتے، چین سے نہ بیٹھتے۔ صاحب تدبر ایسے کہ پیچیدہ مسائل کا حل چٹکیوں میں ڈھونڈ نکالتے۔ انگریزی کے علاوہ اردو ادب پر بھی گہری نگاہ تھی۔ اقبالیات سے خصوصی شغف تھا۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی سے مکہ مکرمہ والی نشست میں اور گزشتہ ماہ ڈاکٹر خورشید رضوی کے ساتھ جدہ کی نشستوں میں بھی بیشتر گفتگو اقبالیات ہی کے حوالے سے ہوئی۔

وہ غزل بھی کہہ لیتے تھے، لیکن زیادہ تر آزاد نظم ہی کہی اور اس پر اصحاب نقد ونظر سے داد وتحسین بھی پائی۔ اُم القریٰ یونیورسٹی میں تدریسی سرگرمیوں کے علاوہ مختلف تصنیفی، تالیفی اور تحقیقی منصوبوں پر بھی کام کررہے تھے۔ اس میں سعودی عرب کے قدیم ادب وثقافت پر کام بھی تھا، جس میں انھیں ملتان کے پروفیسر ڈاکٹر اسلم انصاری اور پاکستان انٹرنیشنل سکول جدہ کے ڈاکٹر امتیاز بلوچ کا تعاون بھی حاصل تھا۔ سعودی عرب میں اردو ادب پر کام کا ارادہ بھی رکھتے تھے۔ گورنمنٹ کالج سول لائنز ملتان کے پروفیسر محمود الحسن اردو ادب و خطابت کی روایت میں سید عطاء اللّٰہ شاہ بخاری کی خدمات پر پی ایچ ڈی کررہے تھے کہ اسی دوران آسمانوں سے بلاوا آگیا۔ اِس ادھورے کام کی تکمیل بھی ذوالکفل کے پیشِ نظر تھی۔ لیکن اُدھر مہلتِ عمل ختم ہوگئی تھی۔ ۱۵/ نومبر کو نمازِ ظہر پڑھ کر یونیورسٹی سے گھر کے لیے روانہ ہوئے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ دوسری سمت سے آنے والی ایک تیز رفتار گاڑی اُن کی کار سے آٹکرائی اور بندہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوگیا۔ وصیت تھی کہ اگر سرزمین حرم میں موت آئے تو یہیں دفن کردیا جائے۔ نمازِ فجر کے بعد حرم میں نمازِ جنازہ ہوئی اور جنت المعلیٰ میں آسودۂ خاک ہوگئے:

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

(روزنامہ اردو نیوز جدہ، ۱۹/ نومبر ۲۰۰۹ء)

(روزنامہ پاکستان ۲۰/ نومبر ۲۰۰۹ء)